

انجیل کی زبان؛ ایک ناقدانہ جائزہ

[’اشراق‘ دسمبر ۲۰۰۵ء میں ’سریانی و ارامی زبان کے بارے میں وضاحت‘ کے زیر عنوان المورده، ادارہ علم و تحقیق کے فیلو جناب عبدالستار صاحب غوری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس میں ہفت روزہ ’الاعتصام‘ میں شائع ہونے والی اس رائے پر تنقید کی گئی تھی کہ: ’انجیل سریانی زبان میں تھی۔‘ ماہنامہ ’محدث‘ نے مارچ ۲۰۰۶ء کے شمارے میں اس تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے ’انجیل کی زبان؛ ایک ناقدانہ جائزہ‘ کے زیر عنوان ایک مضمون شائع کیا ہے۔ ’محدث‘ کا یہ مضمون اور اس پر غوری صاحب کا تنقیدی مقالہ شامل اشاعت ہے۔ مدیر]

ماہنامہ ’الاعتصام‘ (۲ تا ۸ ستمبر ۲۰۰۵ء) میں ایک سوال کے جواب میں حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب نے علامہ قسطلانی کے حوالہ سے سریانی زبان کے وجود کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ ’انجیل سریانی زبان میں تھی۔‘ جس پر المورده کے ریسرچ فیلو عبدالستار غوری صاحب نے ماہنامہ ’اشراق‘ (دسمبر ۲۰۰۵ء) میں اس موقف کی تردید کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ:

’انجیل ابتدا ہی سے یونانی (Greek) زبان میں لکھی گئی تھی۔ جبکہ حضرت مسیح کی زبان ارامی (Aramaic) تھی اور انھوں نے اپنے مواعظ و بشارات اسی ارامی زبان میں ارشاد فرمائے تھے۔ لیکن ان کے جو ارشادات بائبل کے عہد نامہ جدید کی چاروں انجیلوں اور دیگر تحریروں میں درج ہیں، وہ کبھی بھی اپنی اصلی حالت میں (ارامی زبان میں) نہیں لکھے گئے تھے... وہ شروع ہی سے یونانی زبان میں لکھے گئے تھے۔‘

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

’جہاں تک دوسرے حصے کا تعلق ہے کہ ’انجیل سریانی زبان میں تھی‘ تو یہ بات سراسر غلط ہے۔‘ (صفحہ ۳۵)

زیر نظر سطور میں ہم پہلے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کیا واقعی انجیل کی اصل زبان آرامی تھی؟ اور پھر بتائیں گے کہ اناجیل کا سب سے پہلے یونانی زبان میں لکھے جانے کا دعویٰ کس حد تک درست ہے؟

علمی دنیا میں یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ جس انجیل کا ذکر قرآن مجید کے تقریباً ۱۲ مقامات پر ہوا ہے، اس سے مراد وہ اصل کتاب یا الہی احکام ہیں جو حضرت عیسیٰؑ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے اور عہد نامہ جدید (New Testament) کی اناجیل کے فرضی مجموعے، وہ انجیل نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ یہ انجیل اس وقت اپنی اصل شکل میں دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اب یہ سوال کہ اس اصل انجیل کی زبان کیا تھی؟

اس بارے میں اس حد تک تو واضح ہے کہ انجیل کی اصل زبان وہی تھی جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کی قوم کی زبان تھی، جیسا کہ فرمان الہی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ﴾ لیکن حضرت عیسیٰؑ اور ان کی قوم کی زبان کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے کیونکہ اصل انجیل اب دنیا کے نقشہ پر موجود نہیں ہے، نہ ہی کوئی ایسا ٹھوس تاریخی ثبوت یا دستاویز موجود ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی قوم کی زبان کا حتمی تعین کیا جاسکے۔ اس حوالہ سے اگر ہمارے پاس کچھ ہے تو وہ صرف بعض مغربی ماہرین اور مسلم محققین کی آرا ہیں جن میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ ان اختلافی آرا کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۵۰ء، ۵۲۲/۲) میں ہے کہ ”مسیح اور آپ کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے اور ان کی مادری و مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی۔“ (Jesus، ص ۲۸) — امریکہ کے یونین کالج میں عبرانی کے پروفیسر Moss Battenwieser کے بقول حضرت عیسیٰؑ کے دور میں آرامی زبان بولی جاتی تھی — مغربی مفکر Renen کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی مادری، مذہبی اور وطنی زبان عبرانی آمیز سریانی تھی۔

نیز اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) کے مقالہ نگار نے مادہ انجیل کے تحت لکھا ہے کہ انجیل کی زبان آرامی یا آرامی کی کوئی شاخ تھی۔ علامہ بدرالدین عینیؒ نے صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ ”کان ورقة بن نوفل یکتب الكتاب فی کتب من الانجیل بالعبرانیۃ“ کے تحت لکھا ہے کہ:

قال التیمی: الکلام العبرانی هو الذی أنزل به جمیع الكتب کالتوراة والانجیل ونحوهما وقال الكرمانی: فهم منه ان الانجیل عبرانی، قلت: لیس كذلك، بل التوراة عبرانیة والانجیل سریانی. (عمدة القاری ۵۲/۱)

”امام تیمی کہتے ہیں کہ عبرانی وہ کلام (زبان) ہے جس میں تورات، انجیل وغیرہ کتب کو نازل کیا گیا تھا۔ امام کرمانی

کہتے ہیں کہ اس سے سمجھ آتا ہے کہ انجیل عبرانی زبان میں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست نہیں، بلکہ تورات عبرانی میں تھی اور انجیل سریانی زبان میں تھی۔“

اور مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ’نصرانیت‘ قرآن کی روشنی میں ص ۹۲ پر صاف لکھا ہے کہ ”حضرت عیسیٰ اور ان کے تمام حواریوں کی زبان سریانی تھی۔“

مذکورہ وضاحت کی روشنی میں انجیل کی اصل زبان کے متعلق پانچ آراء ہمارے سامنے آتی ہیں: عبرانی، سریانی، عبرانی آمیز سریانی، آرامی یا آرامی کی کوئی شاخ۔ ان مختلف آراء سے کم از کم یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ انجیل کی زبان کو آرامی قرار دینے کا جو بلند و بانگ دعویٰ کیا گیا ہے، وہ کوئی مسلمہ حقیقت نہیں رکھتا۔

اب ہم یہ جائزہ لیں گے کہ ان میں سے کون سی رائے دلائل کی رو سے زیادہ قرین قیاس ہے؟

اس سلسلہ میں جب ہم زبانوں کی تاریخ اور ان مذکورہ آراء کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو اصل انجیل کا آرامی زبان میں ہونے کا دعویٰ کسی طور بھی درست اور تاریخی تناظر سے ہم آہنگ معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اسرائیلیوں کی اصل مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اور آرامی ایک شمال مغربی سامی Semic زبان تھی جو عبرانی سے بہت مماثلت رکھتی ہے۔ جب ایرانی شہنشاہ Cyprus نے بابلی سلطنت پر قبضہ کر لیا تو آرامی زبان کو ان اسرائیلیوں پر سرکاری زبان کے طور پر رائج کر دیا اور پھر آرامی زبان ان میں اس طرح رچ بس گئی کہ فلسطین کے علاقے یہود یہ Judaea میں تو یہ تقریباً ۴۰۰ سال تک یہودیوں کی مقامی روزمرہ کی زبان رہی اور یہودی فقہ تالمود کی بعض کتابیں بھی آرامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اسرائیلیوں کی اصل مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی۔ پھر جب ایرانی شہنشاہ Cyprus کے بابلی سلطنت پر تسلط کی وجہ سے آرامی زبان کو سرکاری سرپرستی میں ان پر نافذ کر دیا گیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ محکوم عبرانی زبان اس بیرونی آرامی زبان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی اور آرامی زبان کے اس باہم امتزاج سے سریانی زبان پروان چڑھی اور حضرت عیسیٰ کی آمد سے پہلے اسرائیلیوں میں رائج ہو گئی اور بعد میں آرامی کی ایک شاخ کے طور پر متعارف ہوئی۔

تاریخ کے اس تناظر میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی مادری زبان نہ تو خالص عبرانی تھی اور نہ ہی آرامی، بلکہ وہ عبرانی اور آرامی آمیز سریانی تھی اور یہی درحقیقت انجیل کی اصل زبان تھی جسے Renan نے عبرانی آمیز سریانی سے تعبیر کیا ہے۔ اور خود الموردد کے فیلو نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ”ارامی ایک وسیع

زبان ہے... سریانی درحقیقت آرامی کی ذیلی بولی (Dialect) ہے۔“

نیز انجیل کی زبان آرامی اس لئے بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ خالص غیر اسرائیلیوں کی زبان تھی جسے ایرانی بادشاہ Cyprus نے ان پر مسلط کر دیا تھا۔ اسرائیلی اس مسلط کردہ زبان کو اپنی مذہبی زبان کے طور پر قطعاً قبول نہیں کر سکتے تھے، لہذا اس زبان کو انجیل اور حضرت عیسیٰ کی مذہبی زبان بنایا جانا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں نے اسے آرامی قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعد میں سریانی زبان آرامی کی ذیلی بولی یا اس کی شاخ کے طور پر معروف ہو گئی تھی اور بعض لوگوں نے اس شاخ کو اصل سے تعبیر کر دیا۔ شاید محکومیت کا اثر تھا کہ سریانی اپنا الگ تشخص قائم نہ کر سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ سریانی اس دور کی ابھرتی ہوئی زبان تھی۔ پھر بعد میں انجیل کے اس زبان میں نازل ہونے کی وجہ سے اسے مسیحیوں کی مذہبی زبان کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی، جس کے نتیجے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک یہ ارض مقدس کے تمام علاقوں کی روزمرہ، بول چال اور عوامی رابطوں کی زبان بن چکی تھی۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیسائی وفد آتے تو ان سے گفتگو اور تبلیغ میں مشکل پیش آتی جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو سریانی سیکھنے کا حکم فرمایا۔ تو گویا سریانی زبان کے ان علاقوں میں پھیل جانے کے پیچھے بنیادی محرک یہی تھا کہ یہی انجیل کی اصل زبان تھی اور عیسائیوں کی مذہبی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، جیسا کہ خود اشراق کے مضمون نگار نے بھی لکھا ہے کہ

”یہ (سریانی) اس علاقے میں حضرت عیسیٰ کی آمد سے پہلے بھی رائج تھی۔ ۴۵۱ء کی کونسل کے مباحث کے بعد

ارامی بولنے والے اکثر و بیش تر مسیحیوں نے سریانی کو اپنی کلیسائی اور ثقافتی زبان کے طور پر اختیار کر لیا۔ اس سے ان

کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے مذہب و ثقافت کو بازنطینی اثرات سے بچا سکیں۔“

یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیحیوں کو اپنے مذہب و ثقافت کو بازنطینی اثرات سے بچانے کی فکر آخر کیوں دامن گیر ہوئی؟ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ مسیحیوں کا مذہبی اور ثقافتی ورثہ (انجیل) سریانی زبان میں تھا، اسی لئے ہی تو انہوں نے سریانی زبان کو اپنی کلیسائی اور ثقافتی زبان کے طور پر اختیار کیا تھا۔ اور آرامی زبان تو بازنطینی حکومت کی زبان تھی اور جسے عیسائی دنیا اپنے مذہب و ثقافت کے لئے خطرہ سمجھ کر ترک کر رہی تھی، اسی زبان میں ان کی مذہبی کتاب انجیل کا نازل ہونا انتہائی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ انجیل جو عیسائی مذہب و ثقافت کا مصدر و ماخذ تھی، اگر آرامی زبان میں نازل ہوئی ہوتی تو عیسائی دنیا کبھی اس کے اثرات سے اپنے مذہب کو بچانے کی فکر نہ کرتی، بلکہ اسے مقدس سمجھ کر

بام عروج تک پہنچاتی۔ تو خود اشراق کے مضمون نگار کی مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ انجیل کی اصل زبان آرامی نہیں، بلکہ سریانی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری کے شارح بدرالدین عینیؒ نے واضح طور پر انجیل کی زبان کو سریانی قرار دیا ہے، لکھتے ہیں: لیس

كذلك بل التوراة عبرانية والانجيل سريانية.

اس کے علاوہ مغربی مفکر Renen، مولانا مودودی اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کی عبارات بھی

اسی موقف کی ہم نوائی کر رہی ہیں۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مسیحی سوسائٹی Watch Tower

کی مطبوعہ بائبل، طبع نیویارک کے دیباچے (ص viii) میں بھی مذکور ہے کہ ”اصل انجیل سریانی زبان میں تھی۔“

افسوس! اگر المودود کے محترم فیلو نے ”کسی متعلقہ صاحب علم یا متعلقہ کتب سے رجوع“ کیا ہوتا جو شاید ”اتنادشوار

نہ تھا“، تو وہ ہرگز ”علامہ قسطلانی“ جیسے فاضل محقق“ کے اس جملے کہ انجیل سریانی زبان میں تھی کو ”سراسر غلط“ قرار نہ

دیتے اور نہ ہی اس قدر علمی تفوق اور احساس برتری سے لبریل لب و لہجہ میں علامہ قسطلانی اور مولانا مدنی کو متعلقہ

صاحب علم یا متعلقہ کتب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے۔

ایک ایسا مسئلہ جو متعلقہ اہل علم کے درمیان بھی اختلافی ہے اور کوئی ایسا ٹھوس تاریخی ثبوت یا دستاویز بھی موجود

نہیں جس سے ثابت ہو کہ انجیل کی اصل زبان آرامی تھی، کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا اور مخالف کی رائے کو سراسر

غلط قرار دینا انتہائی غیر معروضی انداز تحقیق ہے جو استشرافیت و جدت کے علمبردار المودود کے ”علما“ کو ہی لائق ہے۔

پھر افسوس ناک امر یہ ہے کہ مقالہ نگار نے اپنی ”اس تحریر کو جان بوجھ کر حوالوں سے گرانبار“ کرنا تو مناسب نہیں

سمجھا، لیکن طنز و تعلیٰ اور ادھر ادھر کی باتوں میں تین چار صفحات سیاہ کر دیے ہیں، اگر وہ اس سلسلہ میں کوئی ایک مستند

حوالہ یا کوئی ٹھوس تاریخی ثبوت پیش کر دیتے تو قارئین کے لیے تحقیق کی راہ آسان ہو جاتی۔

اس کے علاوہ غوری صاحب کا مولانا مدنی کو علامہ قسطلانی پر اندھا اعتماد کرنے کا طعنہ دینا بھی درست نہیں ہے،

کیونکہ مولانا سے جو سوال کیا گیا تھا، وہ محض اسی قدر تھا کہ ”کیا سریانی نام کی کسی زبان کا وجود ہے؟“ اور اس سوال

کے جواب میں مولانا مدنی نے علامہ قسطلانی کی عبارت سے استدلال کر کے بتایا کہ ہاں سریانی زبان کا وجود ہے۔

اس حد تک آپ کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ مولانا کے پیش نظریہ تحقیق ذکر کرنا تھا ہی نہیں کہ انجیل کی زبان کیا تھی؟ پھر

انہیں متعلقہ کتب یا اہل علم سے رجوع کا مشورہ چہ معنی دارد۔ اس نوعیت کے سوال جواب سے ایک نئی بحث کا آغاز

کر لینا جو سائل کا مطلوب و مقصود بھی نہیں، اشراق کے تحقیق کار کا عجب طرز عمل ہے!

اس سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ غوری صاحب نے اس مسئلہ پر دلائل دینے کی بجائے بات کو مزید آگے پھیلاتے ہوئے سارا زور تحقیق اس بات پر صرف کر دیا کہ عیسیٰ کے جوارشادات بائبل کے عہد نامہ جدید کی چاروں انجیلوں اور دیگر تحریروں میں درج ہیں، وہ کبھی بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں لکھے گئے تھے... ان کی ابتدا ہی یونانی ترجمہ سے ہوئی... وغیرہ وغیرہ — حالانکہ نہ علامہ قسطلانی نے اس بحث کو چھیڑا ہے اور نہ مولانا مدنی نے اس طرف کوئی اشارہ کیا ہے اور پھر یہاں بھی وہی بے لچک اور غیر معروضی انداز تحقیق جیسے یہ ایک 'مسلمہ حقیقت' ہے اور اس میں کسی دوسری رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اب ہم اس بات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں کہ ان کا یہ دعویٰ کس حد درست ہے کہ اناجیل ابتدا ہی سے یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواری اور ابتدائی متبعین یونانی زبان جانتے تھے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے Jewish Ency ۲۴۷/۹ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ Papias جو دوسری صدی میلادی کے اوائل کا ماخذ ہے، بتاتا ہے کہ متی نے مسیح کے ملفوظات کا مجموعہ کسی تاریخی ترتیب کے بغیر عبرانی (یا آرامی) زبان میں تیار کیا تھا اور مرقس نے متفرق طور پر پطرس حواری سے جو کچھ سنا تھا، اسے مرتب کیا۔ اور ظاہر ہے کہ پطرس کی زبان بھی یونانی نہیں تھی، بلکہ عبرانی اور آرامی آمیز سریانی ہی تھی تو واضح ہوا کہ متی اور مرقس کے صحیفے یونانی زبان میں نہیں لکھے گئے۔ نیز اردو دائرہ معارف اسلامی کے مقالہ نگار نے The Birth of Chri, Alfred Loisey Religion ص ۳۶۶ تعلیقہ ۶۰ کے حوالہ سے لکھا کہ یوحنا کی انجیل آرامی میں تحریر تھی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۵۲۴/۳ کے مقالہ نگار کے مطابق اناجیل کے ماخذ کی بحث میں جو اکثر Q کا ذکر آتا ہے، اس کے بارے میں F.C.Burkitt نے بڑی دلش مندی سے اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ Q کا اصل نسخہ آرامی زبان میں تھا۔ نیز اس نے یہ لکھا ہے کہ 'محرف مسیحی ادب' میں ایک انجیل یہودیہ ہے، یہ مغربی آرامی زبان میں تھی اور یہ انجیل مسیحیوں کے ابتدائی فرقوں میں سے ناصریوں اور ایبائیوں میں دوسری صدی کے نصف ۵۰ء تک رائج رہی، بعد میں ان فرقوں کی تباہی کے ساتھ یہ انجیل بھی گم ہو گئی۔ اور یونانی تراجم کی ابتدا یقیناً اس کے بعد ہوئی۔

(تفصیل: Procrystal Literature زیر مادہ Echp-brit)

'اشراق' کے مضمون نگار کی تردید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ آج سے تقریباً تین سو سال قبل انجیل برناباس

کا جو نسخہ دریافت ہوا، وہ اطالوی زبان میں تھا اور اس کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس حواری کی لکھی ہوئی انجیل ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ’عیسائیت کیا ہے؟‘ (ص ۱۷۱ تا ۱۹۲) میں تفصیل سے اس انجیل کا تعارف پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس انجیل کا درجہ اسناد بائبل کے کسی بھی صحیفے سے کم نہیں ہے۔ یہ انجیل حضرت عیسیٰ کے بعد ابتدائی دور کی ہے اور یونانی تراجم کی ابتدا یقیناً اس کے بعد ہوئی ہے۔

اگرچہ بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ عہد نامہ جدید کے جو قدیم ترین اجزا اب تک دستیاب ہوئے ہیں، وہ یونانی زبان میں ہیں۔ اگر اس دعویٰ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے یہ مطلب کشید کر لینا کہ ”حضرت عیسیٰ کے جوارشادات انجیلوں اور دیگر تحریروں میں درج ہیں... (ان کے لکھے جانے کی) ابتدا ہی یونانی ترجمہ سے ہوئی۔“ قطعاً درست نہیں ہے، بلکہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس بات کا واضح امکان موجود ہے کہ اصل اناجیل ضائع ہو گئیں اور موجودہ یونانی نسخے ان کا ترجمہ یا ترجمہ در ترجمہ ہیں، نیز برناباس حواری کی انجیل کی دستیابی ہی اشراق کے مضمون نگار کے دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہے!!